علامہ محمد اقبال کی اُردو شاعری میں تصورِ دعا

طیب نواز، پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، قرطبہ یونیورسٹی پشاور
ڈاکٹر ناہید رحمٰن، پروفیسر، قرطبہ یونیورسٹی پشاور

ABSTRACT:

Invocation is the source of expression to Allah Almighty for the desires, emotions, feelings and needs. Allama Muhammad Iqbal has written /composed poetic invocations in his poetry. His pain and pangs for the Islamic Nation are revealed in his invocative poetry. He has intensively stressed on the awakening of the Islamic World in his poetical invocation. He has forwarded the invocations for the Islamic Nation so that the Muslims may bring revolution in the whole world for their magnanimous future by collecting their strength and energy whole heartedly. The attitude of a common man is reflected in his poetic invocations. There are no signs of sadness and hopelessness found anywhere in his invocations/ prayers. He has supplicated for the Muslims to be the true-lovers of the prophet Muhammad (SAW) in his poetry. His supplications are not personalized but these also reflect the obligation of religious, social and political conditions of the Islamic Nation. He has opened/paved the ways of thought and vision for us through his supplications, which by applying, we can reach our real desired destination which is the real reason behind our creation. These protect us from panic and derailment and introduce us with the new adventures and the taste of flight. There is such a wave of light behind his supplications which paves the way for the smooth path and settle the direction towards our destination, and reaching the destination, human being on its own becomes the destiny holders.

Keywords: Invocation, Urdu Poetry, Magnanimous, Hopelessness, Destination, Destiny

کلیدی الفاظ: دعا، اردو شاعری، عظیم، مایوسی و نامیدی، منزل، تقدیر

دعا عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی التجاء اور پکار کے ہیں۔ لیکن مذہبی مفہوم میں اس سے مراد اللہ سے (عموماً دورانِ عبادت) کوئی فریاد طلب کرنے یا کچھ طلب کرنے کی ہوتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

"اللہ سے اس کی فضل کی دعا مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے"۔(1)

دعا اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

("وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ")

''اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھے تو میں نزدیک ہوں۔ دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں''۔(2)

بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جن سے دعا کی فضیلت واہمیت واضح ہوتی ہے۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ نے دعا کی اہمیت کا احساس امت کو دلایا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ سے جو چیزیں مانگی جاتی ہیں۔ ان میں سے اُسے عافیت زیادہ پسند ہے۔ حضور ﷺ نے مزید فرمایا۔ دعا اس مصیبت کے لئے بھی نافع ہے جو اتر چکی ہے اور اس کے لیے بھی جو ابھی تک نہیں اتری۔ سوائے اللہ کے بندوں! دعا کو اپنے اوپر لازم کرلو''۔ (3)

دنیا کے تمام مذاہب میں ہمیشہ دعا کا تصور موجود رہا ہے۔ اپنے عباداتی نظام میں ہر مذہب نے دعا کو اہمیت دی ہے۔ مذہب اسلام میں دعا کا ایک مربوط نظام ہے۔ علامہ اقبال نے بھی شاعری اور زندگی میں خدائے بزرگ و برتر کی بندگی کو مرکز نظر بنا کر اردو شاعری میں بلند ترین مقام حاصل کیا۔

؎ ''شوق مری لے میں ہے، شوق مری نَے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ وپے میں ہے''(4)

علامہ اقبال کا ایمان تھا کہ مسلمان اپنی ناگفتہ بہ حالت کو اسی وقت بہتر بنا سکتے ہیں کہ جب وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کریں، وہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے جو غلامی کی مسموم فضاؤں میں سسک رہی تھی اس کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔

اُن کی دعائیہ اشعار کا لب ولہجہ اردو اور فارسی شاعری میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ان کے ہر مجموعہ کلام میں "دعا" اور "مناجات" کے عنوان سے دعائیں موجود ہیں۔ انہوں نے اسلام کے دعائیہ تصور کو سامنے رکھ کر مسلمان قوم کی بہتری کے لیے خداوند تعالیٰ کے حضور فریاد کی۔ انہوں نے خدا سے ذاتی، قومی اور اجتماعی نوعیت کی دعائیں مانگی ہیں۔ ان کے خیال میں دعا ہی ایک فطری عمل ہے کہ انسان کو چاہیے اپنے رب کے سامنے گڑگڑا کر دعا مانگے۔ اپنے خطبوں میں انہوں نے فلسفہ دعا کی اہمیت واضح کی ہے۔ وہ انفرادی دعا کے ساتھ ساتھ اجتماعی دعا کے قائل ہیں۔

؎ ''پلادے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز!
وہ مئے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مئے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مئے جس میں ہے سوز وسازِ ازل
وہ مئے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے''(5)

ان کی دعائیں خلوص اور صداقت کا ایک نمونہ ہے۔ دعا کے ساتھ ساتھ وہ حرکت اور عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی دعاؤں میں مسلمانوں کے اندر جنون، عشق و محبت اور زندگی کا سوز مانگا ہے۔ اسلاف جیسا عشق اور ان کی تابناک روایات کو اپنانے کے لئے دعا گو ہیں۔ نوجوانوں سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے خداوند کریم سے ان کی طاقت، کامیابی اور فتح یابی کے لئے دست بدعا ہیں۔

؎ ''جوانوں کو سوز جگر بخش دے — مرا عشق، میری نظر بخش دے
مری ناؤ گرداب سے پار کر — یہ ثابت ہے تو اس کو سیّار کر
بتا مجھ کو اسرار مرگ وحیات — کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ تر کی، بے خوابیاں　　مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالہ نیم شب کا نیاز　　مری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں مری، آرزوئیں مری　　امیدیں مری، جستجوئیں مری!
میری فطرت آئینہ روزگار　　غزالانِ افکار کا مرغزار
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات　　گمانوں کا لشکر، یقین کا ثبات"(6)

دعائیہ اشعار میں ان کا اسلوب و لہجہ خواہ فارسی کا ہو یا اردو کا، منفرد مقام کا حامل ہے۔ ان کے خیال میں بندہ اپنے خدا سے ملنے کے لیے ہر دم بے قرار رہتا ہے۔ وہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کے طلب گار نظر آتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے بے پناہ محبت ہے، جو دعا اس کی زبان و قلم سے نکلی ہے، وہ ان کی صداقتِ ایمانی کی مظہر ہے۔ انہوں نے بڑے منفرد اسلوب میں دعائیہ مضامین، خیالات و معتقدات کو شعر کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بانگ درا کی نظم "دعا" میں دعائیہ انداز میں بچوں کو نصیحت کی گئی ہے کہتے ہیں۔

"لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری　　زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے!　　ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے
ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!　　علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا　　درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھ کو"(7)

اشعار میں اقبال کی آرزو دعا بن کر لب پر آتی ہے۔ وہ شمع کی طرح روشن زندگی کا آرزومند ہے۔ اقبال کو امت سے محبت ہے اور محبت ہی کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ اس کی بے حسی کو دور کرنے کیلئے دعائیں مانگی ہیں۔ ان کی دردمند طبیعت اور جسارت فکر نے ان کو دعاؤں پر مجبور کیا تھا۔ محمد منور اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"یہ بھی ایک انداز بیان ہے کہ شاعر کچھ کہنے کی بجائے اپنے خیالات کا دوسروں کی زبانی اظہار کرے جو "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" کا مصداق ہے۔"(8)

قدیم ادوار کی طرح دور جدید میں بھی ایک طرف کمزور مشرق ہے اور دوسری طرف طاقتور مغرب، مغرب مشرق کو غلام بنائے ہوئے اس کا استحصال کر رہا ہے۔اس کو فنا کر دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا مشرق کے لیے راہ نجات یہی ہے کہ وہ آمادہ پیکار ہو کر مغرب کا مقابلہ کرے چنانچہ شاعر عصر حاضر کی سیاست کے راز سے پردہ اٹھانے اور ممولے کو شہباز سے لڑنے کے قابل بنانے کے لیے ساقی فطرت سے دعا کرتا ہے۔

ے "شرابِ کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا — مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلام سے آزاد کر! — جوانوں کو پیروں کا استاد کر!" (9)

جو ملت زوال پذیر ہوتی ہے اس کا ایمان کمزور یعنی ضعفِ قلب کی دیرینہ بیماری لاحق ہوتی ہے جبکہ ترقی پذیر ملت کا دل یقین سے پُر ہوتا ہے، طاقت ایمانی سے محکم ہوتا ہے۔

ترقی کی یہی کیفیت ماضی میں ملتِ اسلامیہ کے اندر موجود تھی اور آئندہ ترقی کے لیے اسی کو پیدا کرنا پڑے گا۔اس لیے ساقی سے التجا ہے کہ عشق کی شرابِ کہن اپنے رندانِ مئے کدہ کو پھر پلا دے۔ توحید کا جام گردش میں لائے جو کمزور دلوں کو مضبوط کر کے انہیں ایمان کی دولت سے طاقتور بنا دے۔ شاعر نورِ حق کا یہ پیغام دنیائے اسلام کو دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا ساقی فطرت سے دعا کرتا ہے کہ اسے عشق کے پر لگا کر اڑا لے اور اسے جگنو کی طرح تاریکی میں اجالا پیدا کرنے کے قابل بنائے۔ وہ پرانی نسل سے مایوس ہیں اس لیے کہ وہ خوئے غلامی میں پختہ ہو چکے ہیں اس لیے ان کی امیدیں نئی نسلوں سے وابستہ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جوانانِ ملت مصلحت اندیشی اختیار نہ کریں۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب جوان عشق کی بصیرت سے مالا مال ہو کر جرات عمل سے پیروں کے استاد بن جائیں اور ملت کی قیادت کریں۔اسی خیال کے تسلسل میں کہتے ہیں۔

ے "جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے" (10)

اقبال قرآن وحدیث سے باخبر مفکر تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کو جو مقام ملا ہے وہ والدین کی تربیت اور دعاوں ہی کا ثمر ہے۔ وہ والدین سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اشعار میں ان کو دعائیہ خراجِ عقیدت اس طرح بیان کیا ہے۔

؎ ''بنایا تھا جسے چُن چُن کے خار وخس میں نے
چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آ رکھوں قدم مادر وپدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو''(11)

اے خدا! میرے ماں باپ کو طویل عمر عطا فرمائے۔ وہ زندہ ہوں۔ میں یورپ سے واپس آکر اپنے ماں باپ کے قدموں پر پیشانی رکھ دوں۔ وہ ماں باپ جنہوں نے مجھے محبت کے بھیدوں سے آشنا کر دیا۔

اقبال کی آرزو ہے کہ اے خدا! میرے کلام میں تاثیر پیدا کر دے تاکہ مسلمانوں کے دل ودماغ اس سے متاثر ہوں۔ اقبال کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان کے ساتھ دلی اور والہانہ محبت تھی۔ نبی ﷺ کی اطاعت ومحبت ایک کامل مومن کی نشانی ہے۔ علامہ اقبال سرکارِ دوعالم کی سیرت پاک کا عائر مطالعہ کرنے اور مطالب قرآنی کے بعد ہی اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ نبی ﷺ کی ذات اقدس تمام کمالاتِ ظاہر وباطن کی جامع ہے۔ تمام مظاہر حقیقت ومجاز کا سرچشمہ ہے۔

عشق ومحبت کا یہ خاصہ ایمان کا لازمہ ہے۔ اتباع رسول ﷺ کے بغیر محبت رسول ﷺ تصور میں نہیں آسکتی۔ حضور ﷺ رحمت اللعالمین تھے۔ مردِ مومن کو بھی اپنے اندر اوصافِ ستودہ پیدا کرنی چاہئے۔ بندہ حق پیغمبروں کا وارث ہے، علامہ کہتے ہیں۔

خدا سے لو لگا کر محمد مصطفی کے بتائے ہوئے رستے پر گامزن ہو جاؤ پھر تمہیں وہ فروغ حاصل ہو گا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے کلام میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کیلئے کتاب وسنت ہی سب کچھ ہے۔ اس کے بہت سے اشعار رسول مدنی ﷺ کے دیئے سے اپنا چراغ روشن کرتے دکھائی دیتی ہے۔ کہتے ہیں۔

؎ ''کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں''(12)

اقبال نے شکوہ اور دعا کو ملا جلا رنگ دے کر مسلمانوں کو ذہنی وفکری لحاظ سے بیدار ہونے کا درس بھی دیا۔ یہ ایک خودشناس اور خداشناس کی پکار ہے۔ خاکم بدھن کے الفاظ استعمال کر کے کتنی عاجزی کا اظہار کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ وہ ذات ہی قادر اور دینے والی ذات ہے۔ وہ اسی ہی کی بندگی کرتے ہیں:

؎ ''ہے بجا شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا شکوہ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے''(13)

اپنے رب کو مخاطب کر کے اپنی ذات کیلئے وہ کچھ نہیں مانگتے۔ جو قوم کے ایک دردمند شاعر نے خدا کے حضور دستِ سوال دراز کیا ہے۔ ان کا دردمند دل تھا جس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ کہتے ہیں۔

؎ ''میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے''(14)

اور اسی صدق ہی کی وجہ سے اس کی دعا آسمانوں کو طے کرتے ہوئے عالم ملکوت تک پہنچ جاتی ہے۔ غائبانہ آواز آتی ہے اے بندے، ہم تو مائل بہ کرم ہیں۔ کوئی سائل تو ہو، کوئی رہبر و منزل ہی نہیں، کس کو ہم راستہ دکھائیں۔ اگر حقیقتاً کوئی جستجو کرے۔ تو ہم ایسے طاقتور ہیں کہ نئی دنیا بھی تفویض کر سکتے ہیں۔ یعنی دعا میں اگر ایمانی سوز اور جذبہ صادق ہو تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ اقبال کا لہجہ شکوہ میں بڑا پر شکوہ ہے۔ مرزا ادیب اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> ''یہاں اس نکتے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی شوخی کسی قسم کی گستاخی تمرد یا کج فہمی سے صورت پذیر نہیں ہوتی بلکہ یہ نتیجہ ہے اس گہرے اور ناقابل فراموش اعتماد کا جو انہیں اللہ کی بے پایاں شفقتوں پر ہے۔ گویا یہ شوخی علامہ کو اپنے رب سے قریب تر کر دیتی ہے اور اس طرح وہ جو کچھ کہتے یا مانگتے ہیں اپنے خالق حقیقی کے قریب تر ہو کر کہتے یا مانگتے ہیں''۔(15)

نظم کا خاتمہ دعا ہی پر کیا ہے کہ اے خدا! مسلمانوں میں پھر جوش و جذبہ پیدا کر دے۔ اے خدا مشکلات سے ان کو نکال کر ان کیلئے آسانیاں پیدا کر۔ بہت ہی عاجزانہ سوال ہے۔ اے خدا! میری متاثر کن آواز سے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کر دے۔ ان کو ایسا بنا دے کہ توحید پرست ہو۔ اے دو جہاں کے مالک، میرا خم اگرچہ عجمی انداز میں ہے مگر اس کی روح خالصتاً اسلامی ہے۔

؎ ''مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے
مورِ بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے''(16)

مسلمانانِ ہند کے دلوں میں خدا اور رسول کی محبت اجاگر کرنے کے آرزومند نظر آتے ہیں۔ ساری نظم میں تاسف و یاسیت، گریہ وزاری، عجز، نیاز مندی اور غیرت واضح طور پر نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

''کسی برگزیدہ اور برتر ہستی کے سامنے شکوہ کرنے والا اپنی معروضات پیش کرتے ہوئے حسبِ ضرورت مختلف انداز اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اقبال کے شکوے کا لہجہ بھی متنوع ہے۔ کہیں عجز و نیاز مند ہے، کہیں اپنی غیرت و انا کا احساس ہے، کہیں تندی و تلخی اور جوش ہے، کہیں تاسف و مایوسی کا لہجہ ہے اور کہیں زاری و دعا کا انداز ہے''۔(17)

اپنی کمزوریوں کا احساس خدا کے سامنے کرتے ہیں کہ آج کا مسلمان کمزور ہے۔ اسلاف جیسا مشکلات برداشت کرنے والا نہیں۔ شریعت اسلامی سے منہ موڑ چکا ہے۔ لیکن تو انہیں معاف کر کے ان میں وہی جذبہ بیدار کر دے۔ کہتے ہیں۔

؎ ''عطا اسلاف کا جذب دروں کر !
شریک زمرہ لایحزنوں کر
خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا ! مجھے صاحب جنوں کر''(18)

بانگ درا میں بعنوانِ "حضور رسالت مآب ﷺ میں" ایک نظم ہے۔ یہ اُس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جب اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا تھا۔ یہ دور بڑا نازک اور کرب ناک تھا۔ طرابلس موجودہ لیبیا، سلطنت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا۔ لاہور کی شاہی مسجد میں اقبال نے اسی نظم کو پڑھا تھا۔ نظم میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی حالت زار سے جب میں اپنے آپ میں نہ رہا تو سفر کا سامان باندھ کر میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ فرشتے بارگاہِ رسالت میں مجھے لے گئے۔ حضور ﷺ کے سامنے مجھے پیش کیا گیا۔

جب اقبال نے امت پر شفقت و مہربانی کی التجائیہ دعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے اس کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ ابوالحسن ندوی اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

> ''انہوں نے رسول اعظم ﷺ کے حضور میں اپنے دل، اپنی محبت، اپنے خلوص اور اپنی وفا کی نذر پیش کی اور آپ کو مخاطب کر کے اپنے جذبات و احساسات اپنی ملت اور معاشرے کی دل گداز تصویر کھینچ کر رکھ دی''۔(19)

عالم تخیل کے اس ماحول میں اقبال اسطرح درخواست نبی ﷺ سے کرتے ہیں۔

''حضور ﷺ: دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وگل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نظر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں''(20)

اقبال جیسی گہرائی و گیرائی اور آفاقیت کسی اور شاعر کی شاعری میں نہیں ہے۔ مسلمانوں کو تباہی اور خلافتِ عثمانیہ کے زوال کی داستان اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہ یہ حالات دیکھ کر ایک قلبی و ذہنی پریشانی و تکلیف میں مبتلا تھے۔ ایک مستقل خلفشار کا شکار تھے۔ دل میں عجیب کش مکش اور بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ آسودگی ان کو کیسے ملتی وہ تو امتِ مسلمہ کے شاندار ماضی کے آرزومند اور خواہشمند تھے۔

ے "تڑپنے، پھڑکنے کی توفیق دے　　دل مرتضیٰؓ، سوز صدیقؓ دے

جگر سے وہی تیر پھر پار کر　　تمنا کو سینوں میں بیدار کر

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر　　اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لوٹا دے اسے

لٹادے، ٹھکانے لگادے اسے" (21)

اسی دردِ عشق نے شاعر کو اس قابل بنادیا کہ وہ زندگی، حرکت، ارتقاء اور خود کے راز ہائے سربستہ سے پردہ اٹھا سکتا ہے۔ کہتے ہیں۔

"ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو!
تجھ سے میری زندگی سوز وتب ودرد وداغ
تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
فلسفہ وشعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں رُو بُرو!" (22)

اقبال نے ہر جگہ اپنے رب کو مخاطب کیا ہے۔ اس سے دعا مانگی ہے۔ ان کا خدا سے قلبی لگاؤ تھا۔ خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ کرنے والے تھے۔ وہ ہر کام کے نتیجے کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے۔ خدا کی ذات غیب سے اس کے لیے اچھے اور مفید اسباب پید کرتی ہے۔ علامہ دعا کے قائل تھے۔ نذیر نیازی لکھتے ہیں۔

"یہ کائنات ایک عالمِ اسباب ہے جہاں زندگی کے کچھ اصول و قوانین ہیں۔ اس دنیا میں ہماری کوشش وجدوجہد اور وسائل وذرائع سب اپنی اپنی جگہ پر بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال کے نظریے کے مطابق دعا میں جبر واختیار کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ جب انسان دعا کرتا ہے تو دراصل خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا رشتہ علت و معلول جوڑنے کی التجا اور کوشش کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس پہلو کی نشاندہی اپنی ایک گفتگو میں اسطرح فرمائی ہے۔ وہ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ وہ ہم سے اور ہماری دنیا سے بے تعلق تو نہیں۔

ہم جو کچھ کہتے ہیں اسی سے کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا سنتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ زندگی کیا ہے۔ ایک مسلسل دعا"۔(23)

اس دعا کے متعلق غلام رسول مہر مرزا جلال الدین بیرسٹر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"اقبال ہر شام بلاناغہ میرے ہاں تشریف لاتے۔ وہاں گانا بھی ہوتا۔ جب ان کا قلب متاثر ہونے لگتا وہ ایک دھیمی آواز میں گنگنانہ شروع کرتے۔ جس کے ساتھ وہ اپنے داہنے زانو کو ساتھ سے تھپکتے جاتے۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنے اشعار پڑھنا شروع کر دیتے۔ ان کی آواز سازوں کی ہم آہنگی کی وجہ سے کچھ ایسی دل نواز ہو جاتی کہ ایک سماں سا بندھ جاتا۔۔۔ یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے" والی نظم کی بنیاد ایک ایسی ہی مجلس میں رکھی گئی تھی"۔(24)

اس نظم میں اقبال نے امت مسلمہ کی اخوت و اتحاد کیلئے بڑی عاجزانہ طریقے سے خدا کے حضور دست سوال بلند کئے ہیں۔ دعا میں سوز کی کیفیت دیکھیئے:

؎ "یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلا دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خودداری ساحل دے، آزادی دریا دے

میں بلبل نالاں ہوں، اِک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو، داتا دے"(25)

اقبال آرزو کرتے ہیں زندگی میں حرارت آرزو جس سے روح بیدار ہو جائے۔ اس میں تڑپ کا مادہ پیدا ہو کہ اے خدا! ان کو بصیرت دے، چشمِ بینا سے اس کی آنکھیں منور ہو۔

؎ "دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں"(26)

اگر انسان کو چشم بینا میسر آجائے تو بقول اقبال:

؎ ''جو ہے پردوں میں پنہاں ، چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے''(27)

دعا ایک دردمند دل کی آواز ہے۔ وہ حساس دل کے مالک ہیں۔ قوم جو اس وقت مبتلائے درد تھی تو اقبال جیسے حساس شاعر، مفکر و حکیم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونا لازمی بات ہے۔ نظم کا ایک ایک لفظ درد میں ڈوبا ہوا ہے۔ اقبال بغیر کوئی واسطہ کو درمیان میں لائے خدا سے ہمکلام ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''یہ دعا جہاں ایک طرف علامہ کی خود شناسی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہاں ملت اسلامیہ کیلئے اس کا درد اور سوز بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ آرزومند تھے کہ ان کے افکار اور خیالات عالمِ انسانی میں اور خصوصاً عالمِ اسلام میں پھیلیں''۔
(28)

اقبال ہر عہد کے سماجی حالات کے مطابق کبھی مصلح، کبھی مدبر، کبھی شاعر، کبھی فلسفی اور کبھی پیغمبر کے پیکر میں نمودار ہوئے۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان ایسا رشتہ چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ ان کی ساری تعلیمات، سارے شاعرانہ تخیلات عشق ہی کے جذبے کا طواف کرتے ہیں۔

عشق ہی کی وجہ سے وہ آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ اپنے ارد گرد کے حالات سدھارنے کیلئے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دے کر خدا کے حضور بطریق مختلفہ دست سوال دراز کرتے ہیں۔ اس کی رحمت سے وہ نااُمید نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک ان کے در سے ناامیدی ہی زوال کا پیش خیمہ ہے۔ کہتے ہیں۔

؎ ''نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم وعرفاں ہے
امید مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں!''(29)

دعاوں کے ذریعے وہ انسان کو پستی سے رفعت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ خدا کی ذات پر ان کا یقین کامل ہے۔ دعا کی شرائط میں ایک شرط قبولیت کا یقین کامل ہی ہے۔ اقبال اس یقین محکم کی بات اس طرح کرتے ہیں۔

؎ ''یقین محکم، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں!''(30)

اپنی شاعری کی شمشیر سے عمل و حرکت کیلئے دعائیں کی ہیں۔ اسلاف کی مثالیں دی ہے کہ وہ کس طرح عظمت کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ وہ توحید کو قوم کی قوت بازو سمجھتے ہیں اور اس کو قوموں کی ترقی کا ضامن سمجھتے ہیں ان کے نزدیک:

؎ ''تقدیرِ امم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا
اخلاصِ عمل مانگ نیا گانِ کہن سے
شاہان چہ عجب گر بنو ازند گدا را!''(31)

علامہ نے دعا اور مناجات کے لیے صرف ایک صنف کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لیے تمام مروجہ اصناف نظم، غزل، رباعی، مرثیہ وغیرہ میں استعمال کیا ہے۔ جب بندے خدا کے حضور ہاتھ پھیلائیں اور دعا کریں تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ انسان پر ضرور کسی نہ کسی صورت ظاہری و باطنی اثرات ضرور مرتب کرتا ہے۔ عزائم کو سینوں میں بیدار کرنے کی بات کرتے ہیں۔ جب عزائم بلند ہو، جرات اور ہمت انسان کے اندر ہو اور وہ صبر واستقلال سے اپنے فرائض کی ادائیگی اور حصولِ مقاصد میں ہمہ تن مشغول رہے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ صاحبِ عزم شخص صرف اپنی تقدیر کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اقوام کی تقدیر پر بھی قادر ہوتا ہے۔ خدا کی ذات پر اس کا یقین مضبوط ہے۔ یہ یقین ہی عمل کے لئے ایک ضروری صفت ہے۔ اقبال شک، گمان اور تخمین سے نہیں بلکہ یقین کے قائل ہیں۔

اقبال کی ساری دعائیہ شاعری، خواہ اردو کی ہو یا فارسی کی، میں انسان رویوں کی ترجمانی کی گئی ہے، وہ اپنے کارسازِ حقیقی سے ناامیدی ہی زوال علم و عرفان قرار دیتے ہیں۔ قوم کی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے اسی ہی سے درخواست کرتے ہیں۔ اس پروردگار کے آگے جھولی پھیلاتے ہیں۔ اپنی ناتوانی کا اظہار کر کے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس کے جلال کی قسم کھاتے ہیں اور کبوتروں میں عقابی روح کی درخواست کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1. القرآن مجید، سورۃ النساء آیت نمبر 32، مترجم محمد احمد رضا خان قادری، بریلوی، قدرت اللہ کمپنی لاہور
2. ایضاً، سورۃ البقرہ، آیت 186
3. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، جلد دوم، ابواب الدعوات، مترجم، علامہ بدیع الزمان، ص 217-218

4. علامہ محمد اقبال، بال جبریل مشمولہ کلیات اقبال (اُردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، طبع سوم، 1996، ص388
5. ایضاً، ص415
6. ایضاً، ص417
7. علامہ محمد اقبال، بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، طبع سوم، 34، 1996
8. محمد منور، میزانِ اقبال، طبع دوم، اقبال اکادمی لاہور، 1986، ص118
9. بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال (اُردو)، ص416
10. ایضاً، ص378
11. بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، ص97
12. ایضاً، ص208
13. ایضاً، ص123
14. ایضاً، ص213
15. میرزا ادیب، مطالعہ اقبال کے چند پہلو، بزم اقبال لاہور، 1985ء، ص125
16. بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، ص169
17. رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبال کی طویل نظمیں، فکری و فنی مطالعہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2014ء، ص33
18. بال جبریل مشمولہ کلیات اقبال (اُردو)، ص379
19. ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، مجلس نشریات اسلام کراچی، 1973ء ص246۔247
20. بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، ص197
21. بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال (اُردو)، ص416۔417
22. ایضاً، ص383۔384
23. نذیر نیازی سید، اقبال کے حضور، جلد اول، اقبال اکیڈمی لاہور، 1981ء، ص361
24. مولانا غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور، س۔ن، ص209
25. بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، ص213
26. بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال (اُردو)، ص335
27. بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، ص72
28. ڈاکٹر محمد ریاض، آفاقِ اقبال، گلوب پبلشرز لاہور، 1987ء، ص10

29. بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال (اُردو)، ص412
30. بانگ درا، مشمولہ کلیات اقبال (اردو)، ص272
31. علامہ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، مشمولہ، کلیات اقبال (اردو)، ص658